اللہ کی یہ تقدیر خوب کھل کر ظاہر ہوگئی ہے کہ آج دنیا کی تقدیر جماعت احمدیہ سے وابستہ ہو چکی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19/اپریل 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الجاثیہ:24)

پھر فرمایا:

گزشتہ خطبہ جمعہ پہ میں نے اسی آیت کی تلاوت کے بعد چند ایسی انسانی غفلتوں کی طرف اشارہ کیا تھا جو اس کی ذات کے اندھیرے ہیں۔ وہ غفلتیں جو انسان کی ذات پر اندھیرے بن کے چھا جاتی ہیں اور اسے حصول مقصد سے بے خبر رکھتے ہیں اس کی پہچان سے ہی ناآشنا رکھتے ہیں وہ سب سے خطرناک اندھیرے ہیں جن سے آگے پھر ہر قسم کے گناہ پھوٹتے ہیں اور قرآن کریم نے ایک بڑی ترتیب کے ساتھ اور ایک تدریج کے ساتھ اول معمولی ابتدائی حالتوں کا ذکر فرمایا پھر ان سے پھوٹنے والی زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک حالتوں کا ذکر فرمایا پھر آخری نتیجہ نکالا کہ اگر یہ مضمون اسی طرح تدریجاً بڑھتا رہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے ایک روئیدگی شروع میں تو نظر کو بھلی لگتی ہے سرسبز و شاداب کونپلیں جب پھوٹ رہی ہوتی ہیں تو انسان کی نظر کو بہت پیاری لگتی ہیں اور ان کے حُسن سے استفادہ ایک معصوم سی چیز دکھائی دیتی ہے لیکن پھر وہی کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور خوب تموج اختیار کرتی ہے، ہواؤں کے ساتھ ناچتی ہے، رقص کرتی ہے اور پھر اس کے بونے والوں کے دل کو

خوش کر دیتی ہے لیکن انجام کار پھر اس پر ایک ایسا دور آتا ہے وہ زردرو ہونے لگتی ہے اور خشک ہو کر ایسے چُورے کی طرح جو پاؤں تلے روندا جاتا ہے اس حالت میں وہ اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔ یہ وہ مثال ہے جس کے متعلق میں اس آیت کے پہلے حصے کے مختلف امور پر یا مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد پھر متوجہ ہوں گا۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ اول ہے لَعِبٌ اور لَهْوٌ ،اسی سے ہر قسم کی دنیاداری کا آغاز ہوتا ہے۔کھیل کود تماشہ ایک معصوم سی چیز دکھائی دیتی ہے انسانی فطرت کے ساتھ اس کا ایک گہرا تعلق ہے بچے بھی اپنا دل کھیل کود ہی میں بہلاتے ہیں۔لیکن جوں جوں جوانی کے ساتھ ساتھ کھیل کود انسانی مزاج پر غلبہ پانے لگتے ہیں تو ان کے اندر گناہوں کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔کھیل کود کا انسانی مزاج پر غلبہ اس کو اعلیٰ مقاصد سے غافل کرتا چلا جاتا ہے اور توجہات کو تمام تر اپنی طرف کھینچنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے جو زندگی کا مقصد نہیں ہے۔اس پہلو سے میں نے متوجہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو بھی اس پہلو سے بروقت متنبہ کرتے رہا کریں۔ جہاں ان کی دلچسپیاں کھیل کود میں اتنی بڑھ جائیں کہ ان کی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی راہ میں حائل ہونے لگیں، جہاں پڑھائی اور تعلیم ثانوی ہو جائے اور زندگی کے دنیا کے تماشے جو ہیں یہ بنیادی اور اصل مقصد بن جائیں ایسے بچے ایسی جوان نسل میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے اپنی منزل کھو دیتی ہے اور غلط سمت میں روانہ ہو جاتی ہے۔ یہ اگلا قدم جو تھا اس کے متعلق میں نے گزشتہ خطبے میں روشنی ڈالی یہ پھر زینت اور تفاخر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دیکھیں لَهْوٌ اور لَعِبٌ کا اپنی ذات سے تعلق ہے۔ایک انسان کسی چیز کو پسند کرے اس میں کھویا جائے کوئی بیٹھا اپنا ٹیلی ویژن دیکھ رہا ہے تو کسی کا کیا لیتا ہے۔اس کا کسی اور کے ساتھ کوئی تصادم نہیں،کوئی ٹکراؤ نہیں،کوئی مقابلہ نہیں۔ایک انسان جوان باتوں میں مثلاً میوزک ہے اس میں بھی مگن رہتا ہے تو وہ کہتا ہے تمہیں اس سے کیا میں اپنا وقت خرچ کر رہا ہوں اپنا پیسہ لگا رہا ہوں اور اگر شور پڑتا ہے تو اپنے کان میں وہ ٹوٹیاں دے دیتے ہیں اور جہازوں میں بھی بجائے اس کے کہ ان پر یہ اعتراض ہو تم نے سب کا امن برباد کر رکھا ہے شور ڈالا ہوا ہے وہ آرام سے اپنی ٹوٹی اپنے کان میں لگا لیتے ہیں اور جہاز والوں نے بھی اب سب کو ٹوٹیاں مہیا کر دی ہیں۔ٹیلویژن دیکھنا ہے،

میوزک سنی ہے اپنی مرضی کے پروگرام دیکھو لیکن ساتھ والوں کو نقصان نہ پہنچے۔ پس لَهْوٌ اور لَعِبٌ کا جو آغاز ہے وہ نفسانی، ذاتی خواہشوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسروں سے متصادم نہیں ہے پھر یہ چیز پھوٹ کر باہر نکلتی ہے اور زینت اور تفاخر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

زینت کا اختیار کرنا یہ بھی ہر انسان کی فطرت میں ہے لیکن جب وہ زینت دکھاوا بن جائے تو پھر تفاخر کے رنگ میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ ہر وہ نعمت جو خدا تعالیٰ نے ایسے انسانوں کو دی ہے وہ خدا کا شکر کرنے کی بجائے انہیں اپنا فخر دوسروں پر ظاہر کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور خدا کے سامنے سر جھکانے کی بجائے وہ لوگ لوگوں کے سامنے سر اٹھانے لگتے ہیں تو یہ تفاخر ہے یعنی جس ذات نے دی تھیں، جو نعمتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے میسر آئیں بجائے اس کے کہ ان نعمتوں کے شکر پر سر اس کے حضور جھکتا چلا جائے اس کے عاجز اور کمزور بندوں پر اٹھتا چلا جاتا ہے اور یہ تفاخر جو ہے یہ ہمیشہ نچلوں پر ہے۔ یہ لفظ تفاخر میں ایک داخل بات ہے جو اپنے سے بڑے ہوں ان کے سامنے کوئی تفاخر کیسے کر سکتا ہے ان کی مجلس سے تو دور رہے گا تا کہ ان کے سامنے سبکی نہ ہو۔ جو غریب لوگ، نسبتاً کمزور لوگ ہیں ان کے سامنے دکھاوے ہوتے ہیں یا برادری کے لئے بھی دکھاوے ہوں تو جب تک ان سے زیادہ خرچ کر کے ان سے زیادہ دکھاوا نہ ہو اس وقت تک ان کا سر اونچا ہو ہی نہیں سکتا۔

پس اپنا جھوٹا سر اونچا کرنے کی خاطر وہ اپنی آئندہ اولادوں کے سر ہمیشہ کے لئے نیچے کر دیتے ہیں۔ قرضوں میں جکڑے جاتے ہیں، جائیدادیں بک جاتی ہیں بجائے اس کے کہ دنیا ان کی تعریف کرے کہ واہ واہ انہوں نے خوب کیا چند دن کی اس تعریف کے بعد پھر لعنتیں پڑنے لگتی ہیں کہ اس نے تو جو کچھ ورثے میں پایا تھا وہ بھی گنوا دیا کچھ بھی باقی نہ رکھا تو یہ بھی ایک اندھیرے کی بڑی خوفناک قسم ہے مگر جب یہ آگے بڑھتی ہے تو سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ آخری شکل جو اس کی بنتی ہے وہ ہے تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (الحدید:21)۔

اب تدریج دیکھیں کیسی عمدہ اور متناسب تدریج ہے۔ ایک نفس کے اندھیرے نے نفس کو ایک سایہ مہیا کیا اور اس سائے تلے نفس نے آرام پایا لیکن جب وہ گہرا ہو گیا تو رستہ دیکھنے کی صلاحیت سے بھی اس کو عاری کر دیا۔ پھر وہی چیز آگے بڑھی تو اپنی نعمتوں کو دکھانے پر منتج ہو گئی اور اکیلا اپنی ذات میں انسان سکون پا ہی نہیں سکتا پھر جب تک دوسروں کے اوپر وہ فخر نہ کر لے جب تک

دوسروں سے زیادہ اپنے آپ کو دکھا نہ لے اس وقت تک اس کے نفس کو تسکین نہیں ہوسکتی۔اب یہ Social evil میں تبدیل ہوگئی ہے۔جو پہلے ذاتی نقص تھا اب یہ تمدنی اور سوشل نقص میں تبدیل ہو گیا اور ان کی جو دو باتیں ایک بریکٹ میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کا تعلق انسانی اقتصادیات اور سیاست سے ہے۔تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کا تعلق انسانی اقتصادیات سے ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسا رابطہ رکھتی ہیں کہ گویا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے،ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتیں۔اسی لئے خدا تعالیٰ نے یہ جوڑے بھی خوب بنائے ہیں ایسے جن کو ایک دوسرے سے الگ کیا جا ہی نہیں سکتا۔جب سیاست انسانی دماغ پر قابض ہو جائے،جب قوموں کے اجتماعی دماغ پر قبضہ کرلے تو یہ سیاست محض اپنے رعب کو دنیا پر قائم کرنے کے لئے نہیں،اپنی بڑائی کو قانونی طور پر اپنے اہل وطن پر مسلط کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہر قسم کی دولت کمانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہی سیاست جب بین الاقوامی سطح پر سر اٹھاتی ہے تو اس کے ساتھ دولت کا کمانا ایک لازمی جزو ہے اس کو الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ انگریزوں سے یعنی انگریزی حکومت سے آزادی کا گُر ان لوگوں کو کسی کو بھی علم نہیں جو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور انگریزوں کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتے ہیں کوئی ہتھیاروں کے ساتھ انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تعلیم دیتے ہیں کوئی عدم تعاون کے ساتھ جیسے گاندھی جی کی تحریک تھی ان کو اپنے ملک چھوڑنے پر مجبور کرنے کی تحریک کرتے ہیں۔آپؓ نے فرمایا ایک ہی طریق ہے کوئی دنیا کی قوم اپنی سیاست کو دوسری قوم پر غالب کر کے محض یہ لطف نہیں لیا کرتی کہ ہم حاکم ہیں جب تک اس کے نتیجے میں اس ملک کی دولت ان کے ملک میں منتقل نہ ہو۔اگر کسی ملک کی دولت کسی ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہونا بند کر دے تو کوئی پاگل نہیں ہے کہ وہاں جا کر کوئی سیاسی نظام اپنا جاری کرے اور محض اس وجہ سے کہ ہماری سلطنت بڑی ہوگئی ہے سیاسی غلبے کو جاری رکھنے کی فطرت اجازت ہی نہیں دیتی کیونکہ کچھ دیر کے بعد یہ مصیبت بن جاتی ہے۔نظم وضبط قائم رکھنا،اپنے خرچ پر قائم رکھنا،کسی اور جگہ جا کر ایسی قوم پر اپنی حکومت جتانا جس قوم کو تمہاری حکومت پسند نہیں ہے اور نتیجۃً مالی لحاظ سے کوئی بھی فائدہ نہیں۔کبھی بھی دنیا میں ایسی سیاست زیادہ دیر چل نہیں سکتی قومیں خود ہی اپنا بوریا بستر لپیٹتی ہیں اور ایسے ملکوں کو چھوڑ دیتی ہیں۔

پس حضرت مصلح موعودؓ نے ایک موقع پر فرمایا اور کئی دفعہ جو نجی مجالس میں بھی آپؓ ان باتوں کا ذکر چھیڑا کرتے تھے تو اس میں بھی یہ باتیں آتی رہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ اصل نجات کا راز تحریک جدید کی اس سکیم میں ہے جس کے انیس نکات ہیں۔ وہ تحریک جدید کی سکیم ایسی ہے کہ اگر کسی قوم میں رائج ہو جائے تو دنیا کی کوئی قوم بھی وہاں سے مالی فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ جو قوم اپنی زندگی کے رہن سہن کو سادہ اور غریبانہ بنالے، جس کو نہ بدیشی کپڑوں میں دلچسپی رہے، نہ بدیشی زیورات میں دلچسپی رہے، نہ بدیشی کھانوں میں دلچسپی رہے، جن کو روز مرّہ کی ساگ اور روٹی گھر میں میسر آجائے اسی پہ راضی رہیں، جو اپنا کپڑا کاتیں اور اس کھدر پہ راضی رہیں۔ جن کو دکھاوے کے لئے کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں کسی بینک کا محتاج ہونے کی ضرورت نہیں وہاں کا بینکنگ نظام بھی زیادہ دیر نہیں چل سکتا یعنی ان کے خون نہیں چوس سکتا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسی قوم ہی ہے جو درحقیقت دنیا میں آزادی کے سانس لے سکتی ہے اور غیروں کو اس میں دخل دینے کا کوئی موقع ہی میسر نہیں آسکتا۔

آپؓ نے فرمایا کہ جرم بھی ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ جتنے جرائم ہیں وہ اخلاقی کمزوریوں سے وابستہ ہیں اور جس قوم کی اخلاقی حالت درست ہو جائے جرائم اس کو اس طرح چھوڑ کر چلے جاتے ہیں جیسے صحت مند بدن کو جراثیم چھوڑ دیتے ہیں۔ موجود ہیں فضا میں وہی سانس ہم سب لے رہے ہیں جو بیمار لوگ بھی لیتے ہیں مگر جراثیم سانس سے اندر جاتے ہیں اور باہر نکل آتے ہیں ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے اس بدن میں جو صحت مند ہو۔ ہاں جہاں بیماری کے آثار دیکھیں گے وہاں ان کے اڈے بنیں گے وہاں ان کا Foot Hold یعنی قدم جمانے کی جگہ بن جاتی ہے اور پھر آگے وہاں سے وہ باقی علاقوں کی فتوحات کے انتظام کرتے ہیں۔ تو حضرت مصلح موعودؓ نے بڑی گہری فراست کے ساتھ تحریک جدید کو جاری فرمایا تھا تا کہ جماعت کے اندر جو لَهْوٌ وَلَعِبٌ کی دلچسپیاں ہیں اور اس کے نتیجے میں پھر ایک دوسرے پر تفاخر ہے ان سے آزادی ملے تو ان قوموں کو جماعت پر حکومت کرنے کا شوق ہی باقی نہیں رہے گا، مصیبت لگے گی ایسی جماعت پر حکومت کرنا جن قوموں کا مقصد تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ہے اور سیاست کا اس سے اعلیٰ نچوڑ دو لفظوں میں بیان ہو ہی نہیں سکتا اموال کی کثرت اور اولاد کی کثرت۔

یہاں قرآن کریم کا محاورہ اولاد محض بچوں کے زیادہ پیدا کرنے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ

قرآن کریم نے خوب اس مضمون کو کھولا ہے، بار بار کھولا ہے کہ وہ قومیں جو دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہیں ان کو عددی قوت میں دلچسپی ہوتی ہے اور اولاد یہاں بمعنی عددی قوت ہے یعنی جسمانی غلبہ جو فوجی غلبہ بھی کہلا سکتا ہے۔ بہر حال ایک قوم کو دوسرے پر جو فوجی یا عددی برتری حاصل ہو قرآن کریم نے ایسی قوموں کے حوالے کے ساتھ جن کا ذکر قرآن کریم میں تاریخی طور پر ملتا ہے ہمیشہ ان کی اموال کی کثرت اور اولاد کی کثرت کے طور پر اسے پیش فرماتا ہے۔ پس یہ آیت قرآنی محاورہ ہے اور قرآنی محاورے کی مدد ہی سے اس کو حل کیا جا سکتا ہے جو دوسری جگہ کثرت سے کھلے کھلے طریق پہ استعمال فرمایا گیا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ لہو ولعب جب زینت اور تفاخر میں بدلتے ہیں تو انسان ضرور اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی غلامی کا یہ پہلا قدم ہے۔ پہلا اندھیرا جو اس کی ذات پر چھا جاتا ہے اور اس سے دیکھنے کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔ ایسے لوگ جب مجبور ہوتے ہیں تو قرض اٹھاتے ہیں جو جانتے ہیں کہ واپس نہیں کر سکتے۔ وہ ایسی تجارتوں کی سکیمیں بناتے ہیں جن میں ہوتا کچھ بھی نہیں ہے اور لوگوں کو دھوکے دے کے ان کے پیسے کھا جاتے ہیں کیونکہ کسی طرح سے اب نفس کی اس حرص کو پورا کرنا ہے اور دوسری شکل اس کی بنتی ہے وہ ہوشیار لوگ جن کو کمانا آتا ہے اور کمانے کے بعد وہ اعلیٰ مقاصد پر خرچ کرنے کی بجائے پیسہ اکٹھا کرتے ہیں اور محض دولت میں کسی دوسرے پر فوقیت لے جانا ان کے لئے ایک روحانی یا جو بھی اس کا نام رکھیں ایک قلبی تسکین کا ذریعہ بنتا ہے لیکن یہ قلبی تسکین کا ذریعہ درحقیقت ان کے لئے دھوکہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب تک ایک شخص کا پیسہ دوسرے کے مقابل پر بڑھتا رہے اس کو یہ معلوم ہو کہ اب میں ایک ملین سے دو ملین میں داخل ہو گیا Millionaire کے دائرے سے Billionaire میں داخل ہو گیا تو دائرے جب تک وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں کسی حد تک سکون ملتا ہے لیکن جونہی یہ دائرہ اپنی حد استطاعت پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے وہاں وہ نفس کی بے قراری، مزید کی طلب، سینے کی آگ کہ میں اور کیا کروں، کس طرح بڑھاؤں اور بڑھانے کی بجائے جب وہ چیز گھٹنی شروع ہو جاتی ہے تو اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطٰمًا۔ (الحدید: 21) وہ چیز جو اس کے سامنے نشو ونما پاتے ہوئے بڑی ہوئی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی اور یوں معلوم

ہوا جیسے اب اس کو پھل لگنے کے وقت آ گئے ہیں تو پھل کچھ بھی نہیں لگتا۔ یہ جو حرص ہے یہ اور بڑھ جاتی ہے۔ طلب کی کوئی حد نہیں ہے اور بالآخر ایسے انسان ہمیشہ محروم دنیا سے جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھ آتی کہ ہم کیا کریں۔ کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو اپنی دولت کو پھر سیاست پر استعمال کرتے ہیں اور تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہاں جا کر یہ دونوں مجرم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھر آگے بڑھنا شروع کرتے ہیں۔ یہ جو گٹھ جوڑ ہے سیاست اور دولت کا آج کی دنیا میں تمام ملک جن سے امن اٹھ چکا ہے ان کا آخری نقطہ یہی ہے کہ وہاں دولت نے سیاست سے سمجھوتہ کر لیا ہے یا دولت سیاست کو غلام بنائے ہوئے ہے یا سیاست دولت پر غالب آ گئی ہے اور دولت کھینچنے کا ذریعہ بنا کر حکومت ہو رہی ہے۔ جن جن ممالک میں یہ بات ہوئی پھر ان کے سنبھلنے کا بعد میں کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ ہر قسم کی کرپشن، بددیانتیاں اور جرائم پھر بڑی سطح پر وہاں پرورش پاتے ہیں۔

اور بدقسمتی ہے اب مغربی دنیا میں جہاں سیاست نسبتاً زیادہ صاف اور پاک تھی، ابھی بھی ہے نسبتاً دولت کی آمیزش کے نتیجے میں گندی ہو رہی ہے۔ دن بدن یہ رجحان بڑھ رہا ہے کہ سیاست کو دولت کمانے کا ذریعہ کیسے بنایا جائے اور باوجود اس کے کہ یہ لوگ پکڑے بھی جاتے ہیں، عوام کے سامنے ان کو ذلیل اور رسوا بھی کیا جاتا ہے مگر جس نہج پر ایک دفعہ قوم کا مزاج چل پڑے پھر رک نہیں سکتا۔ پس تَكَاثُرٌ ایک بیماری ہے یعنی پیسہ بڑھانا ایسی بیماری ہے جو از خود اپنے آپ سے ضرب کھاتی رہتی ہے، سیاسی طاقت بڑھانا ایک ایسی بیماری ہے جو از خود اپنے آپ سے ضرب کھاتی رہتی ہے۔ پس تَكَاثُرٌ سے بہتر اسے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا اور قرآن کریم نے تَكَاثُرٌ کے مضمون کو اور جگہ بھی خوب عمدگی سے کھولا ہے اور بعض اور مثالوں کے ساتھ بھی اسے واضح فرمایا ہے اور اس انجام کو ہمارے سامنے ننگا کر کے دکھا دیا ہے۔

فرماتا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (التکاثر: 2، 3) کہ اے انسان! تجھے تو ایک دوسرے سے بڑھنے، یہاں تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ نہیں فرمایا۔ تَكَاثُرٌ اے انسان! تجھے بڑھتے چلے جانے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے یعنی اموال میں اور طاقت میں سبقت لے جانے نے بالکل اندھا کر دیا ہے۔ الھٰی معنی غافل کر دیا یا ہلاک کر دیا دونوں معنی

اس مضمون میں یہاں پائے جاتے ہیں۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جنون تم پر سوار ہو چکا ہے اس نے تمہیں اپنے مفادات سے، اپنے مقاصد سے بالکل غافل کر دیا ہے اور ہلاک کر دیا ہے۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرنے لگے۔

اب جو قبروں کی زیارت کرنا ہے یہ بھی بہت ہی دلچسپ محاورہ ہے اس میں دونوں معنی بیک وقت پائے جاتے ہیں یعنی کم سے کم دو معنی بیک وقت پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اپنے اموال اور اولاد، اپنی طاقت، سیاست اور اپنی اقتصادیات کو ترقی دینے کی خاطر اتنے گر چکے ہو کہ قبروں سے بھی مانگنا پڑے تو نہیں رکو گے اور قبروں سے بھی مانگو گے اور امر واقعہ یہ ہے کہ ان معنوں میں بعینہٖ یہی صورتحال تیسری دنیا پر مسلط ہو چکی ہے۔ مذہب چاہے اسلام ہو یا ہندو ہو یا جو مذہب کا نام رکھ لیں۔

ان میں بعضوں میں عقیدہ، بعضوں میں توہمات کے رنگ میں مردہ پرستی شروع ہو چکی ہے، مردوں سے مانگنے کا رجحان ہے اور یہ جو مردہ پرستی ہے اس نے جاپان کو بھی خالی نہیں چھوڑا اور کوریا کو بھی اور چین کو بھی خالی نہیں چھوڑا۔ آباؤ واجداد کی روحوں کے سامنے سر جھکانا اور ان سے امیدیں وابستہ کرنا اب یہ روز مرّہ کا بڑھتا ہوا فیشن ہے اور ہمارے ملک میں آپ دیکھیں داتا کے دربار پہ پہنچ جاتے ہیں۔ جن کو اپنے گھروں میں خدا کے حضور سر ٹیکنے کا موقع نہیں ملتا، جو راتوں کو اٹھ کے اس کے حضور سجدہ ریز ہونا جانتے ہی نہیں، وہ دن کی روشنی میں لوگوں کے سامنے داتا کے دربار پہنچتے ہیں اور دو مقاصد اپنی طرف سے حاصل کرتے ہیں۔ اول اپنے لئے اموال ان سے طلب کرتے ہیں دوئم اپنے لئے اولاد ان سے طلب کرتے ہیں۔ اپنی سیاست ان سے مانگتے ہیں اور اس دکھاوے کے ذریعے کہ ہم نے داتا کے دربار پر چادر چڑھائی ہے عوام سے بھی اپنی ہردلعزیزی کی بھیک مانگتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم نے ہم میں اور کچھ نہیں دیکھا تو یہ تو دیکھو کہ وہ مردے جن سے تم مانگتے ہو ہم بھی انہی سے مانگ رہے ہیں اور اتنا احترام ہے تمہارے مذہبی جذبات کا ہمیں کہ آگے پیچھے کبھی توفیق ملے نہ ملے مگر اب ہم جب کہ حکومت پر قابض ہو گئے ہیں یا ہونے والے ہیں۔ تو دیکھو حضرت داتا کے دربار پر جا کر ان کے سامنے ماتھے ٹیک رہے ہیں ان پر چادریں چڑھا رہے ہیں تو بھیک ہے، سوائے خدا کے ہر طرف بھیک ہی بھیک۔ دائیں طرف بھی بھیک، بائیں طرف بھی بھیک، عوام سے بھی بھیک، بڑے لوگوں سے بھی بھیک، اور مردوں سے بھی۔ تو زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کا اس سے بہتر نقشہ اور کیا ہو سکتا

ہے ایسے پاگل ہو گئے ہو تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کہ قبروں کی زیارت کرنے لگے ہو۔

اور دوسرا معنی جو آخری اور بہت ہی پُر جلال معنی ہے کہ تم تو قبروں کے کنارے تک جا پہنچے ہو۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کیا تمہیں اپنا انجام دکھائی نہیں دے رہا تمہارے سامنے مقبرے پھیلے پڑے ہیں تم سے پہلے ایسے ہی لوگ تھے جیسے تم ہو جن کو اس ظلم نے مقبروں تک پہنچا دیا وہ دفن ہیں زیرزمین دفن ہیں ان کو دیکھو اور ہوش کرو کہ تم نے اپنا کیا انجام بنا رکھا ہے۔ پس وہ جو حُطَامًا ہو کر وہ کھیتی جس سے توقع تھی کہ بہت بارآور ثابت ہو گی، گھر ہمارے غلوں سے بھر دے گی۔ اگر بارآور ہونے سے پہلے اس پر کوئی ہوا چل پڑے اور وہ زرد ہو جائے اور زرد ہو کر پارہ پارہ ہو جائے اور زمیندار کو اس میں کوئی دلچسپی نہ رہے۔ ہوائیں، آندھیاں چلیں رگیدتی ہوئی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، مٹی میں ملا دیں اور پھر اس پر پاؤں پڑنے لگیں۔ یہ جو نقشہ ہے یہ وہ آخری نقشہ ہے جو تَكَاثُرُ کا نقشہ ہے، مَقَابِرُ تک پہنچے کا یہ نقشہ ہے جو کھینچا گیا ہے تو فرمایا اس کی خاطر تم اپنی زندگیاں برباد کرتے ہو۔

اب آپ دیکھ لیں کہ سیاست نے مال کے ساتھ مل کر دنیا میں کیا تباہی مچائی ہے اور انسان نے خود بھی ذاتی طور پر اموال کی طلب میں اور جو سیاسی طاقت ہے اس کی خواہش میں دنیا میں کتنے مصائب برپا کر رکھے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تیسری دنیا میں ہر جگہ قریباً یہی کچھ ہو رہا ہے انسانی زندگی کی قیمت ہی کوئی نہیں رہی انسانی عزت کی کوئی توقیر باقی نہیں رہی اور ہر دفعہ جب آپ سوال کریں کیوں؟ تو یا پیسے کی خاطر یا سیاست کی خاطر۔ یہ دو چیزیں ایسی غالب آجاتی ہیں پھر اور انسانی دماغ پر ایسا قبضہ کر لیتی ہیں کہ دیکھنے کی ہوش ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ آخری طبعی لازمی نتیجہ ہے جس سے انسان بچ نہیں سکتا اور ہوتا ہے روزانہ گھروں میں۔ آپ کی اولاد میں اس کے آثار نمایاں ہو کر آپ کی آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ آپ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آپ کی بیویوں میں، آپ کی بچیوں میں، آپ کے لڑکوں میں یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اگر متوجہ ہوں تو وہ وقت ہے کہ آپ ان کی بیخ کنی کریں ورنہ بعد میں پھر پچھتاتے رہ جائیں گے اور کچھ بھی آپ کے ہاتھ نہیں آئے گا۔

عورتیں ہیں مثال کے طور پر، ان کو ہم پردے کے متعلق تاکید کرتے رہتے ہیں لیکن سو عذر ہیں جن میں جائز بھی بہت ہیں۔ کہتے ہیں ہم نے کمانا ہے، ہم نے باہر نکلنا ہے، تعلیم حاصل کرنی ہے

بچیوں نے ،اب ہم کیسے بند ہو کے گھروں میں بیٹھ رہیں۔ ہم ان کو کہتے ہیں بالکل گھروں میں بند ہو کر نہ بیٹھو لیکن اپنی عزتوں کو بند رکھو، ان کو کھلی چھٹی نہ دو، ان کو سرِعام بے راہروی کی اجازت نہ دو تو پھر پردے کی جو بھی شکل ہے وہ ٹھیک ہے لیکن اجازت مانگتے ہو کسی اور بہانے سے اور اجازت کو استعمال کرتے ہو کسی اور غرض کے لئے اور وہ غرض زینت اور تفاخر ہے۔ پس ہر وہ بظاہر نیک اور شریف عورت، بظاہر ان معنوں میں کہ اس کے اندر کوئی ایسی بدی نہ آپ دیکھیں گے کہ جس پہ اس کو ملزم کر سکیں، اس کو مجرم دکھا سکیں لیکن ایک کمزوری اس کی آپ کو دکھائی دیتی ہے اور اس میں کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی وہ جب باہر نکلتی ہے تو صرف ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس طرح بن ٹھن کر نکلتی ہے اس ارادے کے ساتھ اپنے آپ کو تیار کرتی ہے کہ غیر نظروں کو اپنی طرف کھینچے اور اپنے حسن کو نمایاں کرے۔ جب کہ قرآن کریم نے پردے کی جو تعریف فرمائی ہے اس کی مرکزی تعریف یہ ہے کہ اپنی زینت کو غیر آنکھوں کے سامنے ابھارا نہ کرو۔

پس وہ ضرورت کیسی ضرورت ہے جس کی خاطر اجازت لے کر اس کو بے محل استعمال کرو اور اپنے ہی خلاف استعمال کرو اور اپنی اولادوں کے خلاف استعمال کرو۔ تو یہ جو زینت ہے، یہ تو قوموں کی عصمت برباد کر دیتی ہے۔ ان کو اعلیٰ مقاصد کے لئے خدمت کی توفیق ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کے برعکس وہ بچیاں بھی ہیں، خواتین بھی ہیں جو زیادہ اس طرح کا پردہ نہیں کرتیں جیسے برقع پوش ہوں لیکن آپ ان کو خدمت دین پر مامور دیکھیں گے۔ دیکھیں کتنی سادگی ان کے اندر خود بخود آ جاتی ہے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ تیار ہو کے باہر نکلیں MTA کا وقت ہو رہا ہے، ان کو اور گھر کے کام بھی کرنے ہیں، ناشتے بھی تیار کرنے ہیں، بچوں کو رخصت کرنا ہے افراتفری میں جس حال میں ہیں دوڑی دوڑی مسجد آ کر وہ خدمت دین میں مصروف ہو جاتی ہیں اور ان کو دیکھ کر کوئی بیمار نظر بھی اگر پڑے تو صحت مند ہو سکتی ہے مزید بیمار نہیں ہو سکتی ان سے دل پاک ہوتے ہیں۔ یہ وجود ہیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ سوسائٹی میں ایک مضبوط قوی حصہ جو بھرپور زندگی میں حصہ لیتا ہے اور کسی زندگی کی جائز ضرورت سے محروم نہیں رہتا۔ مگر نسوانیت کو لوگوں کی رجولیت ضائع کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کی اسلام اجازت نہیں دے سکتا۔

نسوانیت کے خاص مقاصد ہیں جس ماحول میں وہ مقاصد ہیں وہاں اس کو ابھارنا، اس کی

زینت سے فائدہ اٹھانا قرآن کریم اس کی اجازت دے رہا ہے اس کی حد بندی کر رہا ہے اس کے اردگرد خطوط کھینچ رہا ہے۔ دیکھو تمہارے بچے ہیں جن کے سامنے اچھی دکھا کرو یہ نہیں کہ جھاٹے پھلا کر بچوں کے سامنے آجاؤ اور مارکیٹ میں جانا ہو تو خوب بال سنوار کر بلکہ ابھار کر اور بکھیر کر اس طرح نکلو کہ تمہارے پیچھے ان کی جھالریں لہراتی ہوئی چل رہی ہوں۔ یہ غلط طریق ہے۔ تم اپنے گھر میں اپنے بچوں کے سامنے پیاری کیوں نہیں بنتیں۔ اپنے بھائیوں، اپنی ماؤں، اپنے باپوں کے سامنے کیوں اچھی نہیں بنتیں۔ ان کی نظر میں چونکہ پاکیزگی ہے اس لئے جب تک تم ان کے سامنے اچھی نہیں بن سکتیں جب تک تمہاری نظر میں پاکیزگی کی قیمت نہ ہو۔ پس زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ میں یہ سارے پیغام ہمارے سامنے رکھ دیئے اور امر واقعہ یہ ہے آپ انسانی نفسیات پر غور کر کے دیکھیں کہ انسان کی نیتیں قیمتوں سے طے پاتی ہیں اور انسان کی نظر میں جس چیز کی قیمت ہے وہی فیصلہ کرتی ہے کہ نیت کیسی ہوگی اور اس نیت کو کس شکل میں عملی دنیا میں ڈھالا جائے گا۔ پس اگر نیت میں پاکیزگی نہ ہو تو جہاں پاکیزہ آنکھیں ہیں وہاں دکھانے کا شوق ہی کوئی نہیں رہتا۔ اپنی بلا سے ہوں یا نہ ہوں جیسی وہ آنکھیں ہوں ویسی وہ آنکھیں نہ ہوں۔ مزہ کیا کہ جو نظر پڑتی ہے، پاکی سے پڑتی ہے ہاں ذرا سا تھوڑا سا ہیجان پیدا ہو جائے، جہاں نظر میں طلب پیدا ہونی شروع ہو جائے، جہاں ہمیں محسوس ہو کہ ہماری پوجا کی جارہی ہے۔

اب وہ عورتیں جن کے متعلق میں نے کہا ہے بظاہر آپ ان میں کوئی جرم نہیں دیکھیں گے اپنی ذات کی حفاظت کرتی ہیں مگر قرآن کریم نے جو یہ تعریف فرمادی کہ اس نے اپنی ھـــوىٰ کو اپنا معبود بنالیا ہے یہ بیماری شروع ہو چکی ہے اور جب تک کوئی نظر عبادت نہیں کرتی اس وقت تک پورا سکون نہیں ملتا اور یہ نظروں کی عبادت کروانا بہت ہی خوفناک اور مہلک بیماریوں پر منتج ہو جایا کرتا ہے اور یہ مرض آگے بڑھتا ہے اور پھر اس کو روکا نہیں جاسکتا۔ وہ نسلیں جو دیکھ رہی ہیں کہ ہمارے ماں باپ میں زینت اور تفاخر ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان قدروں کو اپناتے ہوئے بڑے نہ ہوں۔ ان کو اپناتے ہوئے بڑے ہوتے ہیں، وہی چیزیں ان کے اندر سموئی جاتی ہیں اور پہلے سے زیادہ نشوونما پاتی ہیں۔ یہ صورت حال اگر اسی طرح جاری رہنے دی جائے تو پھر ان چیزوں سے بھی لذّت یابی کی طاقت ختم ہونے لگتی ہے۔ اس کے بعد دل خشک ہو جاتے ہیں اور خالصۃً اپنی بڑائی یعنی معبود ہونے کی

آخری منزل جہاں دنیا کا سر اپنے سامنے جھکاؤ اپنے اموال کو زیادہ کر کے یا اپنی طاقتوں کو بڑھا کر اس حد تک تمہیں چین نصیب نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ بعض دفعہ زینت اور تفاخر کے دائروں سے نکل ہی چکے ہوتے ہیں۔

بعض آپ سیٹھوں کو دیکھیں گے کہ ان کو قطعاً کوئی ہوش نہیں اپنے کپڑوں کی بلکہ بال بکھیرے ہوئے برے حال میں بٹن کھلے ہوئے وہ تجوریوں پر بیٹھے ہوتے ہیں مگر جانتے ہیں کہ یہ ہے ہماری شان، ہمارے پاس دولت ہے ان لوگوں کے پاس دولت نہیں ہے اور بغیر زینت کے بھی وہ اپنی بڑائی خود محسوس کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی نظر دولت میں مزہ دیکھ رہی ہے۔ تو ہر انسان جو معبود بن کر ابھرتا ہے وہ کسی نہ کسی خاص اپنی نفسانی الٰہی غرض کے ساتھ معبود بنتا ہے۔ جس کی نظر زینت پر زیادہ ہے وہ زینت کا معبود، دکھاوے کا بت بن جاتا ہے۔ جس کی نظر دوسروں پر اپنی تمدنی برتری حاصل کرنے کا شوق ہے وہ پھر رسم و رواج کے بت کو اپناتا ہے اور رسم و رواج کا خدا بن کر ابھرتا ہے اور آخری صورت اس کی یہ ہے کہ دولت کے سرچشموں پہ قبضہ کر لے اور طاقت کے سرچشموں پر قبضہ کر لے جب یہ معبود بن جائے تو دنیا کی ہر دوسری قدر اپنی قیمت کھو دیتی ہے۔ کوئی اس راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرے گا اس کا سر توڑ دیا جائے گا۔ خواہ ان لوگوں کے بچے اغواء کر کے آپ اپنی سیاسی طاقت کو بحال رکھیں، خواہ معصوم آدمیوں کا قتل عام کروا کر اپنا رعب قائم رکھیں کہ ہم ہیں صاحب اولاد ہم جتھے والے لوگ ہیں تم کیا چیز ہو تم ہماری مخالفت کرنے کی جرات کیسے کر سکتے ہو اور پھر اموال کے تمام ذریعوں پر قابض ہونے کے ذریعے، وہ جو سرچشمے ہیں اقتصادی دولت کے ان پر قابض ہونے کے ذریعے وہ اپنی بڑائی کو جاری رکھتے ہیں اور اس کو دائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ خلاصہ ہے ساری انسانی زندگی کا۔

اب آپ دوبارہ ان باتوں کو سن کر اور سمجھ کر جب بھی پاکستان کا کوئی اخبار اٹھائیں گے یا ہندوستان کا کوئی اخبار اٹھائیں گے یا دوسرے ملکوں کے اخبار اٹھائیں گے آپ کو ہر جگہ یہی خلاصہ نظر آئے گا۔ ساری افراتفری، سب دوڑ، سب چکر اسی مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔ تو تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ اور تَكَاثُرٌ فِي الْأَوْلَادِ ہے اور ساری دنیا کو مصیبت، دیکھیں کتنی ڈالی ہوئی ہے اس نے۔ تمام دنیا کا امن جہنم میں تبدیل ہو چکا ہے اور وہ لوگ جو دکھاوے کی راہ سے ان چیزوں تک

پہنچتے ہیں ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ دنیا میں حقیقتاً وہ انسان کی یا اپنی قوم کی خدمت کرتے ہیں کہ نہیں۔ ان کو اس بات سے غرض ہوتی ہے کہ دنیا ان کو خدمت گار کے طور پر دیکھ رہی ہے کہ نہیں یا ان کی قوم ان کو اپنے خادم کے طور پر اگر دیکھتی نہیں تو کم سے کم دل میں گمان کرتی ہے کہ یہ ہمارے خادم ہیں۔ یہ تأثر قائم کرنے پر سارا زور رہتا ہے اور اس سے نیچے اس تأثر کو قائم کرنے کی جہاں تک ٹھوس بنیادوں کا تعلق ہے اس میں ان کو ذرّہ بھر بھی دلچسپی نہیں رہتی۔

مومن ان چیزوں کے بالکل برعکس ہے۔ مومن ان سب اندھیروں سے آزاد ہے۔ وہی ہے جو دیکھتا ہے اور وہی ہے جو نیک انجام کو پہنچتا ہے۔ وہی ہے جس کی آخرت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ پس قرآن کریم نے ان تمام انسانی کمزوریوں کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں کلیۃً رد نہیں فرمایا کہ ان کے اندر کچھ بھی تمہارے لئے باقی نہیں۔ تو اس پہلو کے ساتھ اگر آپ اپنے اعمال کا اپنے نفس کا جائزہ لینا شروع کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کا نجات دہندہ بنا سکتا ہے اور نجات دہندہ بننے کے لئے پہلے اپنے نفس کو نجات دینی ضروری ہے اور اس کے لئے سب سے اعلیٰ، سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی نظر میں رکھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ اسی نظر کی ہمارے نزدیک قیمت ہے باقی کسی نظر کی قیمت نہیں۔ اس نظر کا عجیب حال ہے بعض دفعہ آپ کو دولت مند دیکھ کر خوش ہوگی بعض دفعہ غریب دیکھ کر خوش ہوگی۔ اس لئے اگر اس نظر کو خوش کرنا ہے تو اس کی خاطر غربت اختیار کرنا بھی آپ کے لئے لذّت پیدا کرے گا کیونکہ اس کی رضا کے تابع ہے۔ پس ایسے انسان کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے، اس کی زندگی کے قوانین بدل جاتے ہیں، اس کا اٹھنا بیٹھنا لوگوں میں رہنا سہنا، ان سے معاملات کرنا، ایک نئے رنگ پر آجاتا ہے جس کا عام انسانوں سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

اب جن کو تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ کا جنون ہو وہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی پرستش کرنی ہے اور اگر وہ خدا کی پرستش کرنے لگیں تو اسی تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ میں ان کو کوڑی کی بھی دلچسپی نہیں رہتی۔ پھر وہ مال جو خرچ کرتے ہیں اس کو خدا کی راہ میں لٹانے میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور جتنا مزہ ایک کمانے والا کما کر اکٹھا کرنے میں محسوس کرتا ہے اس سے بہت زیادہ مزہ خدا کے بعض بندے اس کمائی کو خدا کے بیان کردہ شرائط کے تابع حقوق کا خیال رکھتے ہوئے، متوازن طریق پر خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور لذّت پاتے ہیں۔ کبھی آپ کسی چندہ دینے والے احمدی کو جو اس

وجہ سے چندہ دیتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو راضی کرنا ہے چندہ دینے کے بعد مغموم نہیں پائیں گے۔ٹیکس دینے کے بعد تو آپ کئی چہرے دیکھیں گے وہ چہرے اتر گئے مصیبت پڑی۔ کیوں جی کیا ہوا؟ آج تو جی بڑی چٹی پڑ گئی وہ ٹیکس جو ہم نے اتنی دیر سے چھپایا ہوا تھا وہ ننگا ہو گیا پکڑے گئے آج ہمیں دینا پڑا ہے لیکن کبھی کسی چندے دینے والے کو آپ سر پھینک کر چلتے ہوئے مغموم نہیں دیکھیں گے کہ کیوں جی کیا ہوا کہ جی آج اتنا چندہ دینا پڑا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ناممکن ہے۔ ہاں ایسے مغموم لوگ ضرور دیکھیں گے جو چندہ نہیں دے سکے اور ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں میں نے خود دیکھے ہیں بارہا دیکھے ہیں آتے ہیں تھوڑی رقم پیش کرتے ہیں اور اس قدر بے چینی محسوس کرتے ہیں اتنا دکھ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں زیادہ کی توفیق نہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ زیادہ دیں دعا کریں کہ اللہ ہماری حسرتیں پوری کرے۔ ایسی دنیا بھی آپ نے کہیں اور دیکھی ہے جو جماعت احمدیہ کی دنیا ہے۔ پس یہی وہ مضمون ہے ان کے ہاں تَكَاثُرُ کی تمنا ہے خدا کی خاطر خرچ کرنے کی خاطر، ان کے ہاں تَكَاثُرُ کی تمنا ہے تا کہ اپنے غریب رشتے داروں کی ضرورتیں پوری کر سکیں اپنے دکھی ہمسایوں کی، اپنے بیمار ساتھیوں کے لئے کچھ شفا، کچھ صحت کے لئے، کچھ ان کے پیٹ بھرنے کے سامان کر سکیں ان کو لگی ہوتی ہے کہ خدا ہمیں اور دے تو ہم اور خرچ کریں اور کئی ایسے ہیں جنہوں نے مجھے دعا کے لئے اس طرح بارہا لکھا کہ ہمارے دل میں ہر وقت ایک آگ سی سلگتی رہتی ہے کاش ہمیں توفیق ہو تو ہم فلاں غریب رشتے داروں کی مدد کر سکیں، فلاں مصیبت زدہ کی مدد کر سکیں دعا کریں اللہ ہمیں توفیق دے اور پھر خدا ان کو توفیق دیتا ہے اور وہ خرچ کرتے ہیں اپنے وعدوں پر قائم رہتے ہیں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: 24) یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دلوں میں قربانیوں کی راہ میں اپنا جان مال فدا کیا اور دیکھو کیسے مطمئن ہو گئے۔ قَضٰى نَحْبَهٗ مدتوں کی آرزوئیں پوری کر لیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انتظار میں بیٹھے ہیں کب خدا ہماری حسرتیں پوری کرنے کے سامان کرے گا۔ تو دیکھو تَكَاثُرُ تو تَكَاثُرُ ہی ہے مگر نیتوں نے ان دونوں تَكَاثُرُ کی قسموں میں کتنا زمین آسمان کا فرق ڈال دیا۔ ایک تَكَاثُرُ ہے نیک ارادوں کی خاطر، نیک راہوں پر خرچ کرنے کے لئے۔ اسی طرح اولاد کا حال ہے۔ آنحضرت ﷺ

نے بھی اپنی امت کے لئے کثرت کی دعا مانگی بلکہ نصیحت فرمائی کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو وَلُودًا وَدُودًا ہوں محبت بھی بہت کریں تم سے اور بچے بھی بہت پیدا کریں۔ اس لئے بسا اوقات جب فیملی ملاقات میں مَیں اچھے خوش جوڑوں کو دیکھتا ہوں ان سے کہتا ہوں اور بچے پیدا کرو۔ وہ سمجھتے ہیں میں مذاق کر رہا ہوں حالانکہ مذاق و ذاق نہیں، میرے ذہن میں ہمیشہ یہی رسول اللہ ﷺ کی نصیحت ہے اور مجھے بھی خوشی ہوتی ہے احمدی بچے پیدا کر کے بھی بڑھیں اور تبلیغ کے ذریعے سے بھی بڑھیں اور خوب نشوونما پائیں کیونکہ یہی تو ہیں جن کے ساتھ دنیا کا امن وابستہ ہو چکا ہے دنیا کا نیک انجام اب ان پر اپنی بناء رکھتا ہے۔ یہ قائم رہیں گے تو دنیا کا نیک انجام قائم رہے گا، اس کی امیدیں قائم رہیں گی۔ اگر یہ کمزور ہو گئے یہ مٹ گئے تو دنیا کے نیک انجام کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

پس اپنی قدروں کو جو اس آیت کے حوالے سے میں نے آپ پر کھولی ہیں ان کو پہچانو اور ہر وہ اندھیرا جس کا ان آیات میں بیان ہوا ہے اس کے قلع قمع کرنے، اس کو اپنے سینے سے نوچ پھینکنے کی کوشش شروع کر دو اور یہ تفصیل اس لئے میں بیان نہیں کر سکتا بعض پہلے خطبوں میں میں نے بسا اوقات تفصیل سے بھی یہ بیماریاں بیان کی ہیں اس لئے کہ اگر ایک دفعہ شروع ہو جائے تو یہ سلسلہ پھر ختم ہی نہیں ہوگا۔ انسان کس کس قسم کی اندرونی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے کیسی کیسی غلط فہمیاں اپنی ذات کے متعلق رکھتا ہے اپنی اولاد کے متعلق رکھتا ہے، اپنے پیاروں سے جو امیدیں وابستہ کر لیتا ہے، اپنے دشمنوں کے متعلق کیا کیا غلط رویے اختیار کرتا ہے، ایسا مضمون ہے جو ساری انسانی زندگی پہ محیط ہے۔ کس کس کو بیان کروں اور کس کس کو چھوڑوں۔ اس لئے اصولاً میں نے آج آپ کے سامنے وہ خلاصہ پیش کر دیا ہے جو قرآن کریم نے نکالا ہے۔ تین قسم کے اندھیرے ہیں جو اگر تم پر چھا گئے تو تمہارے کانوں پر بھی مہر لگ جائے گی، تمہارے دلوں پر بھی مہر لگ جائے گی اور تمہاری آنکھوں پر پردے پڑ جائیں گے۔ پھر دیکھ بھی نہیں سکو گے کہ تمہارا مفاد ہے کس چیز میں۔ دیکھو گے بھی تو غلط فیصلے کرو گے کیونکہ قوت ادراک بیمار ہو چکی ہوگی۔ دل وہ قوت ادراک ہے جو ان پیغامات کو پرکھتا ہے اور ان سے نتائج اخذ کرتا ہے جو آنکھ یا کان کے سوراخ سے انسان کے اندر داخل ہوتے ہیں اور بھی ذرائع ہیں مگر یہی دو ہیں جن پر بناء ہے، اصل ہے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا

(الدھر:3) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سب سے بڑا احسان جو انسانی نفس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ دیکھو تم ماں کے پیٹ میں کس حیثیت میں تھے اندھے۔ تین قسم کے اندھیروں میں گھرے ہوئے۔ اب وہاں بھی دیکھو تین اندھیروں کا ذکر ملتا ہے اور اچانک کیا دیکھتے ہو کہ تم ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہو۔ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس بچے کو ہم نے سمیع بھی بنادیا اور بصیر بھی بنادیا۔ وہ سننے بھی لگ گیا اور دیکھنے بھی لگ گیا اور سمیع کو پہلے رکھا ہے اور بصیر کو بعد میں۔ اس میں اور بھی حکمتیں ہیں مگر ایک یہ بھی ہے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ پہلے سننا شروع کرتا ہے بعد میں دیکھنے لگتا ہے اور شروع میں ماں کے پیٹ میں بچے کا بیرونی دنیا سے رابطہ صرف کان کے ذریعے ہے اور جب باہر نکلتا ہے پھر آنکھیں کھلتی ہیں ورنہ پیٹ میں تو آنکھیں ہوں بھی تو دکھائی کچھ نہیں دیتا اندھے کا اندھا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا باہر آیا تو ہم نے اسے سننے والا بھی بنادیا اور دیکھنے والا بھی بنادیا اور آواز کے ذریعے ماں کے پیٹ میں پیغام دینے کا نظام خدا تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے اسی لئے اس زمانے میں دعاؤں کا ذکر ہے ذکرِ الٰہی کا ذکر ہے کیونکہ بچہ ان باتوں کو سنتا ہے اور بسا اوقات جو ماحول میں شور پڑ رہا ہے اس سے بد اثر قبول کرتا ہے۔ ماحول میں پُرسکون باتیں ہو رہی ہیں اس سے سکون حاصل کرتا ہے اور اب تو سائنس دانوں نے اس کی تحقیق کر کے اسے واہمے کا حصہ نہیں بلکہ ایک حقیقت میں سائنسی دریافت کا حصہ بنالیا ہے، قطعی طور پر ثابت شدہ حقیقت ہے۔

تو سَمِيْعًا بَصِيْرًا ہے یہ دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے انسان تمام ماحول، گردوپیش بلکہ بہت دور دور کی باتیں بھی اخذ کرتا ہے اور لیکن اگر اندر اس کے تجزیے کے لئے دماغ نہ ہو تو آنکھیں کھلی ہیں، کان موجود ہیں لیکن کہتے ہیں جی اس کا دماغ Dead ہو گیا ہے آکسیجن جانی بند ہوگئی اور وہ دماغ جس نے ساری کمپیوٹنگ کرنی تھی وہ کرنے سے عاری ہو گیا حالانکہ آنکھ دیکھ رہی ہے کان سن بھی رہے ہیں ان کا نتیجہ کوئی نہیں نکل رہا۔ وہی آنکھ اندھی نہیں ہوئی ہوتی بلکہ جو دیکھتی ہے اس کا پیغام اندر نہیں پہنچتا جو وہ کان سنتے ہیں اس کا کوئی مقصد دماغ حاصل نہیں کرتا کہ کیا سنا جا رہا ہے۔ یہی نقشہ ہے قرآن کریم نے جو کھینچا ہے کہ پھر ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اندھے ہو جاتے ہیں، وہ بہرے ہو جاتے ہیں، ان کے دل مہر زدہ ہیں ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ جو کچھ گردوپیش میں دیکھ رہے ہیں اس سے استفادہ کرسکیں۔

پس ان خطرات کے خلاف آپ بیدار ہو جائیں اپنے آپ کو ان پیغامات کے سمجھنے کی صلاحیت کے ساتھ زندہ رکھیں کیونکہ اگر یہ صلاحیت مرگئی تو آپ مرجائیں گے۔ وہ پیغامات جو آپ کے کان سنتے ہیں وہ پیغامات جو آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں ان دونوں صلاحیتوں کو زندہ رکھیں تو لازم ہے کہ آخر پر جوان سے نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ نتیجہ نکالنے کی صلاحیت کو بھی زندہ رکھا جائے ورنہ فائدہ کچھ نہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کچھ لوگ دیکھتے ہیں دو مختلف نتیجے نکالتے ہیں اور وہاں دل کی مہر کی بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ بہت سے بچے ہیں جن کے مزاج اس لئے بگڑے ہیں کہ انہوں نے ٹیلی ویژن کے اوپر جرائم دیکھے ہیں اور قتل و غارت دیکھا ہے اور فخر دیکھا ہے کہ اس طرح کسی نے کسی کو مارا اور پھر فخر کرتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ وہ بچے ایسے بھی ہیں، اکثر آج کل کی دنیا میں ایسے بچے ہیں جو اس کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتے ہیں کیونکہ ان کو روزمرّہ اپنے گھر میں تفاخر کی عادت ہوتی ہے چھوٹے بچے کو Bully بنانے کی عادت پڑی ہوئی ہوتی ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بغلیں بجانے کی عادت پڑی ہوئی ہوتی ہے۔

پس وہ بیج جو بچپن ہی سے گھر میں بیمار بن کر اٹھ رہا ہے اس سے جب کونپلیں پھوٹیں گی تو ضرور بیمار پھوٹیں گی۔ بارش تو ایک ہی طرح کی ہے مگر بعض جگہ زہریلے پودوں کی نشوونما کو بڑھاتی ہے بعض جگہ اچھے پودوں کی، صحت مند پودوں کی نشوونما کو بڑھاتی ہے۔ پس ایسے بچے جب وہ ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اچھا یہ بات ہوئی اور اگر وہ پکڑا گیا بے ایمان تو کہتے ہیں ہم نے یہ چالاکی کرنی ہے، ہم نہیں پکڑے جائیں گے اور ارادے کر کے بچپن سے ہی دلوں میں جرموں کی تمنائیں پالنے لگتے ہیں اور جب بڑے ہو کر باہر نکلتے ہیں تو پھر ان سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ کچھ ایسے شریف النفس بچے بھی ہیں جن کے گھر کا ماحول پاکیزہ ہے اور پیارا ہے وہ ان کو دیکھ کر متنفر ہوتے ہیں ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر ہمیں توفیق ملے تو ہم ایسے ذلیل لوگوں کو پکڑ کر ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ وہ جو جوابی کارروائی کرنے والی طاقتیں ہیں ان کا دل ان کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہ فیصلہ گھروں میں ہو رہا ہے۔ آپ نے جس طرح اپنے بچوں کو پالا ہے آپ ہی اگلی قوم کے اگلے حصے کی تقدیر بنا رہے ہوتے ہیں ٹیلی ویژن وغیرہ تو بعد میں آئیں گے۔

بچپن سے آپ کے رجحانات کو بچے جو پڑھتے ہیں آپ کی اداؤں کو جو دیکھتے ہیں یہ جانتے

ہیں کہ آپ کا حقیقی لطف کس چیز میں ہے۔ دنیا کی دولت میں ہے یا اچھی پیاری باتوں کے تذکرے میں ہے۔ خدا اور رسولؐ کے ذکر میں آپ کو مزہ آ رہا ہے یا بے ہودہ باتوں میں۔ ایسے لوگ اپنے بچوں کی تقدیر بنا دیتے ہیں خواہ ان کا ارادہ ہو یا نہ ہو خود بخود بنتی ہے۔ اب یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہماری نئی نسل کے لئے اللہ تعالیٰ نے MTA کا نظام جاری فرما دیا اور اب وہ بگڑے ہوئے ماں باپ جن کی دلچسپیاں دوسری ہیں اپنے بچوں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں یعنی منفی رنگ میں اثر انداز ہونے کی اور بچوں کو عادت پڑ گئی ہے احمدیہ ٹیلی ویژن کی۔ اب ماں باپ دوسری لگانے لگیں تو کہتے ہیں نہیں بالکل نہیں لگانی ہم نے تو یہی دیکھنی ہے اور بعض ماں باپ کی اصلاح بچے شروع کر چکے ہیں۔ تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے جب عالمی ذمہ داریاں ہم پر ڈالی ہیں تو عالمی ذمہ داریوں کے لئے تیار کرنے کے سامان بھی وہ خود فرما رہا ہے۔

اور میں تو محض قرآن کریم کی نصیحتوں کی طرف اشارے کر کے آپ کو بار بار متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں مگر مجھے دل میں یقین ہے کہ خدا کے ہاں آسمان پر یہ فیصلے ہو چکے ہیں۔ اللہ کی یہ تقدیر خوب کھل کر ظاہر ہو گئی ہے کہ آج دنیا کی تقدیر جماعت احمدیہ سے وابستہ ہو چکی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین اور آپؐ کی سنت کا غلبہ اب اگر دنیا میں ہوگا اور ضرور ہوگا تو جماعت احمدیہ ہی کی خاطر ہوگا جماعت احمدیہ کے وسیلے سے ہی ہوگا۔ پس اپنے دل کو ہر قسم کی ظلمات سے پاک وصاف کر لیں تا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور جو آپ نے تمام تر خدا سے پایا ہے وہ ہمارے سینوں کو روشن کر دے، منور کر دے اور ہمیشہ کے لئے وہاں اپنی جگہ بنا لے تا کہ ظلمات پھر ان سینوں میں جھانک بھی نہ سکیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین